خواب نما

قمر جمیل

خواب نما

قمر جمیل

فہرست

نظم

خواب نما

غزل

خواب نما

قمر جمیل

اپنی نگہہ اپنے فسوں اپنے خواب
اپنے گنہگار نفس کا حساب

اپنے گلستان جنوں کی مثال
ایک فضا جس کا نہ ہو ایک حال

ایک ورق جس پہ مصور کے ہاتھ
بات کریں حسن فراواں کے ساتھ

ایک نیا تار جسے چھیڑ دوں
ایک نیا حرف جسے دل کہوں

حرف لکھوں نقش قدم کی طرح
رقص کروں نوکِ قلم کی طرح

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

دجلہ کے خواب

یہ ادائیں رقص کے ہنگام کتنی رقص خیز

وہ جوانانِ قبیلہ ہوش سے باہر چلے

کاکلوں کے سنبلستاں عارضوں پہ عکس ریز

جیسے ساحل کا نظارا آبِ دریا پر چلے

اک تاثر ہے کہ رقصاں ہو رہا ہے ہر طرف

شمعیں روشن ہیں چراغاں ہو رہا ہے ہر طرف

آگ کے اطراف روشن جیسے اک فانوسِ رقص

رقص کرتی لڑکیاں کچھ آگ کے اطراف یوں

جیسے سطحِ آب پر مہتاب کے ہالے کا عکس

جس کو جھولے میں جھلائیں موج ہائے سیمگوں

قمر جمیل

مل کے جب جھکتی ہیں لگتی ہیں کلی منہ بند سی
اور جب تنتی ہیں کس درجہ بھلی دلبند سی

اک طرف وہ سرخ مشعل ہاتھ میں لیکر چلے
کچھ حسیں کچھ نازنیں کچھ سرو قد کچھ سیم تن
جیسے کچھ پھولوں کے نازک نرم رو لشکر چلے
نرم رفتاری میں دجلہ کے تموج کی پھبن
جیسے صحراؤں کے آہو محو گلگشت چمن
یہ حسیں آہو قدم آہو نفس آہو مزاج
لے رہے ہیں نوجوانان قبیلہ سے خراج

جلوہ پیرا جلوہ ساماں کتنے دلکش ماہتاب
کتنے افسانوں کے پیکر کتنے رنگ و بو کے خواب

وہ جبینوں کے عرق میں جیسے شعلوں کے سراب
جیسے صندل ہیں شراروں کے تبسم محوِ خواب
شعلہ افشاں کاکلوں میں سرخ پھولوں کے چراغ
جیسے تاریکی میں مِل جائیں اُجالے کے سراغ

عارضوں کی چاندنی پھیلی ہوئی سی ہر طرف
ہر طرف ہے ایک ترکش ایک آہو ہر قدم
کر رہے ہیں رقص دف پر مہوشان جلوہ تاب
ہر طرف بکھرے ہوئے ہیں وادیِ دجلہ کے خواب
کچھ کنول کچھ نسترن کچھ سنبلستاں کچھ گلاب

نیل کا سیلاب

یہ محل یہ نقیب یہ خدام　　　　اور یہ شمعدان یہ گلفام
سائے کی طرح شمعدان کے ساتھ　　　　ایستادہ وہ دست بستہ غلام
نیلگوں پیرہن میں خواجہ سرا　　　　دستِ نازک میں خلعتِ انعام
یہ صراحی یہ سیمگوں سائے　　　　پردۂ در پہ ارغوانی جام
نقشِ دیوار مانی و بہزاد　　　　پا بہ زنجیر رستم و بہرام
طاق ایواں میں جھلملاتی ہوئی　　　　روشنی کچھ کبود کچھ گلفام
آئینوں میں وہ پیرہن زرتار　　　　سرسراتی ہوئی ادائے خرام
وہ زمرد کی کشتیوں میں دھواں　　　　عود میں بس گئے ہوں جیسے مشام
رات کاکل کی ہر شکن میں اسیر　　　　آنکھ پر نورِ آفتاب حرام
نازِ شیریں کا آئینۂ دیوار　　　　دست فرہاد کی طرح محراب
تارِ مطرب میں ناوکِ پُرفن　　　　مغبچے ہاتھ میں لئے زہراب

چتر شاہی کا عکس گلیوں میں دشت میں آہوئے ختن جیسے

سرزمینِ عراق کے فرزند ایک عالم پہ خندہ زن جیسے

جنگجو بستیوں میں شہروں میں کوہساروں میں خیمہ زن جیسے

اُڑ رہے ہیں ہواؤں میں پرچم ناگ لہرا رہے ہوں پھن جیسے

کوہ و صحرا میں زلزلے بے چین آسمانوں میں اہرمن بیتاب

تخت میزان سیف ظل اللہ

اور دریائے نیل کا سیلاب

قصۂ چہار خواب

اول

حلقۂ یاراں میں کنعاں رات کے پچھلے پہر
بستیوں سے دور نہروں کے کنارے خیمہ زن
وہ درختوں کی ہواؤں میں ستارے خیمہ زن
بستیوں سے دور صحرا کے نظارے خیمہ زن
حلقۂ یاراں میں کتنے نازنیں نازک کمر

دوم

رقص کے ہنگام کتنے بازوؤں کا پیچ و خم
دیکھنے والوں کی نظروں میں اُتر آنے کو ہے

یہ بدن کا لوچ جیسے روح بل کھانے کو ہے
یہ نظر کے سامنے کتنے ہی عالم خواب سے
رقص کے ہنگام ابھر آتے ہیں کتنے شوخ رنگ
اور کتنے تیز ہو جاتے ہیں نظروں کے خدنگ
یہ خیالوں کے گلستاں یہ نگاہوں کے قفس
رقص کے یہ دائرے شعلہ بداماں ہر نفس

سویم

رسم ادا ہونے نہ پائی تھی کہ خیموں کے قریب
شہ نشیں کی سمت دوڑے اسلحہ وحشی نقیب
کتنے ارماں کتنے غم اشکوں میں ڈھل کر رہ گئے

عین جشن رسم کے ہنگام کنعاں کا گریز
کتنے منظر عارض ولب کے بکھر کر رہ گئے
کتنے لب حسرت چشیدہ کتنی آنکھیں اشک ریز
جیسے ساغر آئیں ہاتھوں میں مگر ٹوٹے ہوئے
پھیڑیو مت زندگی کے بال و پر ٹوٹے ہوئے
تار ہیں اس ساز کے اے نغمہ گر ٹوٹے ہوئے

چہارم

یہ قبیلوں کے شیوخ پختہ عمر و سخت کوش
وادیِ دجلہ کے شہری کُرد کے خانہ بدوش

لڑ رہے ہیں اپنی اپنی کج کلاہی کے لئے
کون دار و بن کے آئے کم نگاہی کے لئے
گرمیٔ گفتار سے ممکن نہیں دل کا رفو
گفتگو سے اور بڑھ جاتا ہے جوشِ گفتگو

قمر جمیل

طوفان سے پہلے

یہ امیران قبیلہ کے سموروں کے لباس
درمیانِ حلقۂ روشن شمع سائے آس پاس
شہ نشیں پر جلوہ فرما یہ شیوخِ ہوشمند
جن کی دنیا دیوتاؤں کی پرستش سے بلند

ان کے آگے رقص کرتا آرہا ہے ایک غول
جنگلی وحشی پاٹلوں میں مختلف رنگوں کے بول
جنگلی وحشی گردنوں میں مختلف گھونگھوں کے ہار
باندھ رکھے ہیں سروں پر بیوں پرؤں کے لالہ زار
جیسے کہساروں میں کچھ طائر پرافشاں ہو گئے

خواب نما　　　　قمر جمیل

اور کانوں کے وہ بُندے جیسے دُرِ تابدار
شعلۂ جوالہ کی صورت فروزاں ہو گئے
رقص کے آغاز ہی کے ساتھ رقصاں ہو گئے

چھوٹی چھوٹی لڑکیاں یوں رقص کرتی آ گئیں
ہلکے ہلکے دائروں میں رنگ بھرتی آ گئیں
ننھے بچے یوں نگاہوں میں اُبھرتے آ گئے
جیسے اس محفل میں تارے ڈرتے ڈرتے آ گئے

دفعتاً اک تمکنت سے رسم ادا ہونے لگی
آسماں کی سمت اُٹھائے کاہنوں نے اپنے ہاتھ
انجمن کے گوشہ گوشہ میں دعا ہونے لگی

اے خدائے برق و باراں اے خدائے شش جہات
جس طرح بہتا ہے مِل کر ساتھ دجلہ کے فرات
نوح کے لختِ جگر کنعاں سے وابستہ رہے
دخترِ شیخ آنا ہمزہ کا دامانِ حیات!

بغداد کے بازار

بستیوں سے جنگلوں کے راستے
اس طرح ملتے ہیں جیسے ہم نفس
رات کی تاریکیوں میں دُور سے
لیکے آئے ہوں قیامت کی ہوس
اور لے کر آسمانوں پر چلے
چاند اپنی کج کلاہی کا قفس

یہ زمیں یہ آسماں کی سرد آنچ
یہ ہوا یہ رات یہ جنگل کا ناچ
یہ طلسمی لوگ پتھرائے ہوئے
سو رہے ہیں اپنے ارمانوں کے ساتھ

ناچتے ہیں بستیوں میں شہر ہیں
جنگلوں میں کچھ تمناؤں کے مور
یوں طلسمِ آب و گل کی لہر ہیں
گم ہوا جاتا ہے پھر سم سم کا شور
جیسے اب بھی غار میں بیدار ہیں
ہاں علی بابا کے وہ چالیس چور
اور میرے شہر کے کوچے نہیں
جانے کس بغداد کے بازار ہیں

رات کا تاج

شہر کی گلیوں کے روشن زاویے
رات کی تنہائیوں کے ہم سفر
آسماں کے نیلے نیلے حاشیے
چاند کی رعنائیوں کے نوحہ گر
تیرگی لپٹی ہوئی دیوار سے
صبح کی تابانیوں کی منتظر
راستوں کے پیچ و خم بازار سے
لوٹ کر آئے ہوں جیسے بار بار
ایک ویرانی ہے میری غمگسار
کچھ سیہ کچھ سرخ کچھ خاکستری

رنگ کے کتوں پہ اُجلی دھاریاں
جنکی شریانوں میں شوریدہ سری
اور دریوزہ گری کا امتزاج
یہ سماں اور رات کی جادوگری
چاند کا لیکر چلی ہاتھوں میں تاج

ملاقات

بھولی بسری یادیں اب بھی کانوں میں رس گھلتی ہیں

مجھ سے کیسی کیسی باتیں تنہائی میں بولتی ہیں

جادو کیسے کیسے جادو چلتے ہیں گلزاروں سے

گیسو کیسے کیسے گیسو اُڑتے ہیں رخساروں سے

شمعیں کیسی کیسی شمعیں جلتی ہیں دیواروں پر

پردے کیسے کیسے پردے گرتے ہیں نظاروں پر

نیند کے ماتے اندھیاروں کی ظالم قاتل روشنیاں

دیئے کی لو میں جلنے والی جھلمل جھلمل روشنیاں

ناچ رہی ہے چاند کے آگے جانے کتنی کالی دھوپ

روشنیوں میں ڈوب رہے ہیں جانے رات کے کتنے روپ

خوشبو بن کے پھیل چکی ہیں کتنی یادیں کتنے سن
لڑیاں بن کے ٹوٹ چکی ہیں کتنی راتیں کتنے دن
وہ یادیں جو آنسو بن کے پلکوں پر لہراتی ہیں
جانے کن کن ویرانوں میں دیئے جلا کر آتی ہیں

ویرانی

شہر کی گلیاں گھوم رہی ہیں میرے قدم کے ساتھ
ایسے سفر میں آئی تھکن میں کیسے کٹے گی رات

خواب میں جیسے گھر سے نکل کے گھوم رہا ہو کوئی
رات میں اکثر یوں بھی پھری ہے تیرے لئے اک ذات

چند بگولے خشک زمیں پر اور ہوائیں تیز
اس صحرا میں کیسی بہاریں کیسی بھری برسات

دھوم مچائیں بستی بستی سوچ رہے تھے آپ
دیکھا کن کن ویرانوں میں لیکے گئے حالات

دن میں قیامت غمخواروں کی رات میں یادِ یار
چند نفس کی مہلت میں بھی اتنے کٹھن دن رات

سُرخ گلاب

خوابوں کی افسردہ ہوا میں رہنے والے سُرخ گلاب
جنگل کی تاریک فضا میں لیکے نکل آتے ہیں چراغ
رات گئے جب چاند کا چہرہ دیکھتے ہیں شرماتے ہیں
اور کسی غمگین شجر کے سائے میں سو جاتے ہیں
دیکھو اپنے دل کی لگن میں بہنے والے سرخ گلاب
آخر اپنے دل کی لگن میں اپنا پا جاتے ہیں سراغ
یعنی خواب میں سورج بن کے جنگل میں لہراتے ہیں
وہ جو کسی غمگین شجر کے سائے میں سو جاتے ہیں

خط

یہ الجھی الجھی سطریں چاندنی راتوں میں لکھی ہیں
شفق کی گود میں یا نیم کے سایوں میں لکھی ہیں
ہزاروں داستانیں تو نے ان سطروں میں لکھی ہیں

دل خوں گشتہ کی دھڑکن بھی ہے رنگین حکایت بھی
ترے خط سے جھلکتی ہے تری معصوم فطرت بھی
مگر کیا مل سکے گی تجھ کو آئندہ یہ فرصت بھی

سورج سے دُور

چاندنی نکلتی ہے
سونے سونے منظر میں
رات شاہراہوں سے
اٹھ کے آنکھ ملتی ہے

چاندیوں اُترتا ہے
ابر سے درختوں پر
روشنی کی لہروں پر
رنگ رقص کرتا ہے

رنگ و نور ہوتے ہیں
شہر کی فضاؤں میں
اور شہر کے سائے

جانے کیا ہوا ہوگا
جب انہی خیالوں میں
رات کٹ گئی ہوگی
دن چمک رہا ہوگا

عکس شب

جب لالۂ و گل کی خلوت میں چپکے سے ہوا در آتی ہے

جب نازک شبنم پھولوں کی آغوش میں سمٹی جاتی ہے

موجوں میں رقابت ہوتی ہے جب رات کے مہپاروں کیلئے

گرداب شبستاں بنتے ہیں جب رنگیں نظاروں کے لئے

جب اوس کے قطرے پھول کی جانب کیف بداماں دیکھتے ہیں

جب ابر شب عریاں کی بہاریں گلشن گلشن دیکھتے ہیں

جب پھول کی دلکش سی سلوٹ سے بھونرے برما جلتے ہیں

جب اجلے اجلے کہساروں سے نظارے شرما جاتے ہیں

کلیوں کی قبا کے کھلنے سے جب بادل گرما جاتے ہیں

جب سیج سجائے ہیں بادل مہتاب کو نیند آجاتی ہے

چراغ

بجھا کرے گا جلا کرے گا
یہ زندگی کا چراغ یوں ہی
جلا کرے گا بجھا کرے گا

نہ بولو

حسین کلیوں کے پٹ نہ کھولو
فضا میں اک رقص جاگتی ہے
ہوائے گلشن سے کچھ نہ بولو

شمعیں

بہار شمعیں جلا رہی ہے
فضائے گیتی سے آؤ نکلیں
کہ روشنی پیچھے آ رہی ہے

مہتاب

رنگ تابندگی نکھار چکے
کتنے مہتاب آسماں کے تلے
اپنی رنگیں قبا اُتار چکے

جھلمل

کیا صبح دریا کیا شامِ ساحل
اپنی چمک میں دونوں برابر
جگنو کی جگمگ تاروں کی جھلمل

حروف

چمک رہے ہیں فضا میں تارے
کہ تیری یادوں نے خط لکھا ہے
جھلک رہے ہیں حروف سارے

دعا

یہ دعا ہے کوئی گلہ نہیں
مرے ہمنشیں مری زندگی
وہ گلاب ہے جو کھلا نہیں

میں یہ سوچتا ہوں خدا کرے
تجھے زندگی میں وہ سُکھ ملے
جو کبھی مجھے بھی ملا نہیں

سرگذشت

یاد ہے ایک گُل نیم شگفتہ اک دن
توڑ کر شاخ سے یونہی تو نے
اپنی نازک سی ہتھیلی سے مسل ڈالا تھا
وہ میرا دل وہ میرا نیم شگفتہ
دل تھا۔
یاد ہے ایک شب ماہ میں ہنگام بہار
جھوم کر
تو نے چڑھائی تھی شراب
اور پھر
خالی پیالے کو پٹک ڈالا تھا
وہ میرا دل وہ میرا نیم شگفتہ
دل تھا

جزیرے

ہم بادِ بہاری ہیں کبھی آکے ترے پاس
اے دوست تجھے نیند سے بیدار کریں گے

آپ کو یہ خاموشی یوں بھی زیب دیتی ہے
گاہ یوں بھی ہوتے ہیں صاحبِ سخن خاموش

اک عمر گذاری پاس تیرے
آخر یہ کھلا کہ خواب دیکھا

ہاں دل کے قریب آکے دیکھو
شعلہ نہ سہی دھواں بہت ہے

تھکے ہارے ہیں یہ درماندہ مسافر شب کے
یہ بیاباں یہ گلستاں یہ مناظر شب کے

خواب میں بھی ہم جاگ رہے ہیں
نیند میں بھی ہے نیند حرام

شوق کے عالم میں گم ہوں
پوچھ رہا ہوں اپنا نام

یہ روز و شب تو بھلائے نہ جا سکیں شاید
اگر پھریں بھی مرے خانہ خراب کے دن

قدم تو بڑھ گئے مگر قدم سے دور رہ گئی
قدم کی چاپ گردِ کارواں سے کھیلتی ہوئی

یہ زندگی ازل ابد کی سرحدیں نہ چھو سکی
گذر گئی حجاب درمیاں سے کھیلتی ہوئی

آتے ہیں رہرو جاتے ہیں رہرو
اپنی جگہ پر قائم ہے منزل

— ★ —

غزل

میرے خدا نے بہت صبر کیا میرے ساتھ
ورنہ کہو سانحہ کیا نہ ہوا میرے ساتھ

بادِ صبا لے چلی ایک نئے شہر میں
اور میرا قافلہ چل نہ سکا میرے ساتھ

دھوپ جھلستی رہی روح ترستی رہی
خاک اڑاتی رہی تیز ہوا میرے ساتھ

شہر کی گلیاں نہ تھیں پاؤں کی زنجیر تھی
اور مرا شوق تھا رشتہ بپا میرے ساتھ

ایک بگولہ کہ ہے جس میں بہت پیچ و تاب
عمرِ رواں کی طرح آج بھی تھا میرے ساتھ

عمر رواں لے گئی میرا سکون چھین کر
اور میرے صبر کو چھوڑ دیا میرے ساتھ

وقت اڑا لے گیا میرے چمن کی بہار
اور میرے دشت و در چھوڑ گیا میرے ساتھ

مجھ سے مری زندگی آپ الجھتی رہی
ورنہ کوئی مرحلہ اور نہ تھا میرے ساتھ

ایک عجب زندگی مجھ پہ گذرتی رہی
پھر یہ عجب سلسلہ بھی نہ رہا میرے ساتھ

جانے دو ان نغموں کو آہنگ شکست ساز نہ سمجھو
درد بھری آواز تو سن لو درد بھری آواز نہ سمجھو

جاؤ بہارو جاؤ جاؤ ویرانوں کے پاس نہ آؤ
عالمِ شوقِ آسودہ کو حسرت کا غماز نہ سمجھو

زخم لگا نا آتا ہے ان پھول سے نازک لوگوں کو بھی
بہتر ہے ان پھول سے نازک لوگوں کے انداز نہ سمجھو

خاموشی کے صحراؤں میں بھٹکے ہوئے سنگیت نہ جانو
تارِ نفس کے نغمے ہیں یہ ان کو مری آواز نہ سمجھو

قمر جمیل

سایہ نہیں ہے دور تک سائے میں آئیں کسطرح
ہم آگئے ہیں کس طرف تم کو بتائیں کسطرح

یہ پھول پتے چاندنی یہ صورتیں من موہنی
ایسے میں اپنی جانکنی ان سے چھپائیں کسطرح

عالم بہاراں کا سہی منظر گلستاں کا سہی
بستی بیاباں کی سہی دامن بچائیں کسطرح

جس پھول کی ہر پنکھڑی ہوتی ہے موتی کی لڑی
اس پھول کی خاطر کبھی آنسو بہائیں کسطرح

درد کو دین سخن جانتے ہیں
ہم کہ آرائشِ فن جانتے ہیں

ایک پردہ ہے بیاباں کے قریب
جس کو دیوار چمن جانتے ہیں

چاند چلتا ہے تو سودائی بھی
سفر جادہ شکن جانتے ہیں

یہ ستاروں میں بھٹکتی ہوئی رات
ہم اسے اپنی تھکن جانتے ہیں

جس جگہ بیٹھ کے روتی ہے بہار
ہم اسے کنج چمن جانتے ہیں

چاندنی جن کو جگاتی ہے جمیل
وہی کانٹوں کی چبھن جانتے ہیں

ایک پتھر کہ دستِ یار میں ہے
پھول بننے کے انتظار میں ہے

آپ زنجیر ہو گیا ہوں کہ پھر
مجھکو فرصت بھری بہار میں ہے

تم ہو یا میرے شوق کا عالم
کوئی اس جانِ بے قرار میں ہے

ہم ستاروں کی طرح ڈوب گئے
دن قیامت کے انتظار میں ہے

اپنی ناکامیوں پہ آخر کار
مسکرانا تو اختیار میں ہے

اپنی تصویر کھینچتا ہوں میں
اور آئینہ انتظار میں ہے

کچھ ستارے ہیں اور ہم ہیں جمیل
روشنی جن سے رہگذار میں ہے

زنجیر بپا حباب جیسے　　　　ہم پھر بھی ہیں آفتاب جیسے
اے دامن گل گواہ رہنا　　　　کچھ داغ بھی ہیں گلاب جیسے
یہ دشت میں گھومتا بگولہ　　　　مجھ آبلہ پا کا خواب جیسے
یوں دل میں ترا خیال آیا　　　　صحرا میں کھلے گلاب جیسے
ہر رات کسی کی یاد آئی　　　　وہ یاد بھی کیسی خواب جیسے
ہر موج سکوں کو ایسے دیکھا　　　　سمجھا ہی نہیں سراب جیسے
ہر قطرۂ خوں میں جل رہی ہے　　　　اک کیفیت شباب جیسے

کانٹوں سے جمیل ہم بھی نکلے
پر اتنے جدا گلاب جیسے

خواب نما

قمر جمیل

طائرِ جاں کی خبر لاتی ہے — کوئی آواز اگر آتی ہے

جانے کس سمت ہوا کی زنجیر — کھینچ کر مجھکو لئے جاتی ہے

سبزۂ جاں میں زمانے کی بہار — آئینہ دیکھ کے شرماتی ہے

کیسا عالم ہے کہ تنہائی بھی — درو دیوار سے ٹکراتی ہے

ہمنشیں دل کے قریب اور نہ آ — یہ کلی سائے سے کمھلاتی ہے

ناگہاں آئی تھی ہم پر بھی جمیل
وہ قیامت جو گذر جاتی ہے

فسوں کاریوں پر فسوں کاریاں
قیامت ہیں راتوں کی بیداریاں

ستم ہے زمانے کا احساس غم
قیامت ہیں اس پر یہ غمخواریاں

توجہ میں وہ رنگ بے گانگی
وہ بیگانگی میں بھی دلداریاں

ملے بھی تو ایسے کہ بیگانہ رنگ
جدا بھی ہوئے تو رواداریاں

یہ موسم یہ وحشت یہ آشفتگی
یہ رُت یہ زمانے سے بیزاریاں

کون یاد آگیا کس کی یاد آگئی
عمر رفتہ نگاہوں میں لہرا گئی

آسماں جیسے تنہائی میں چھپ گیا
جیسے دنیا نظاروں سے گھبرا گئی

جیسے روتے ہوئے سوگئیں بدلیاں
چاندنی جیسے شبنم سے کملا گئی

ڈالیاں جھک گئیں شام کے بوجھ سے
رات زنجیر پھولوں کو پہنا گئی

گرد کی طرح اڑنے لگی کہکشاں
صبح آئینہ تاروں کو دکھلا گئی

یہ کسی کی محبت کا انجام ہے
یا طبیعت ہی جینے سے اکتا گئی

تنہائی کے زنداں سے نکلتی تو نہیں ہے
جینے کی تمنّا در و دیوار سے پوچھو

آساں نہیں دنیا میں قیامت سے گزرنا
لیکن کسی احساس کے بیمار سے پوچھو

ہم لوگ کہ آوارۂ و بیدار رہیں کب سے
کس دام بکیں گے نگہ یار سے پوچھو

ابر آئے ہیں یوں بہار فشاں
حسرتیں ناچتی ہیں شعلہ بجاں

ورقِ گل ہے سادہ و رنگیں
پھر بھی اندازِ دستِ ناز کہاں

دور تک تیری یاد کے سائے
یہ چمن یہ خنک ہوا یہ سماں

کچھ طبیعت ہے یوں بھی مائلِ غم
اور تنہائی کہہ رہی ہے کہ ہاں

مجھ میں ہے بند میری ویرانی
کوئی زنجیر ہے کہ رشتۂ جاں

دُرد صہبا ہے اے غمِ دنیا
کتنی کم کتنی تیز کتنی گراں

کس تعلق سے تجھ کو دیکھتے ہیں
ہم کہ ہیں پائمالِ عمرِ رواں

ہم نے دیکھا جمیل کیا کیا کچھ
شوق کی کیفیت میں رقص کناں

دن رات چراغاں ہے مگر شہر کے سائے
گلیوں میں اسی طور سے تنہا نظر آئے

آساں نہیں موسم کے گریباں سے اُلجھنا
لیکن یہ تماشے بھی ہواؤں نے دکھائے

یہ رات یہ تاروں کا سلگتا ہوا عالم
یہ راہ گذاروں پہ تیری یاد کے سائے

یہ شہر یہ سیلاب یہ گرتی ہوئی دیوار
اس شہر میں ہم لوگ کہاں سے نکل آئے

میں سوچ رہا ہوں کہ تری یاد سے پوچھوں
یہ پھول یہ شاخوں پہ دیئے کس نے جلائے

اگر خزاں میں بھی ہم نیمجاں گذرتے ہیں
تو گلستاں کی زمیں پر گراں گذرتے ہیں

یہ ایک عالمِ احساس بے گنا ہی بھی
ہزار طرح کے عام جہاں گذرتے ہیں

اُلجھ رہے ہیں وہاں ہم سے زرد رو کانٹے
جہاں کے پھول بھی ہم پر گراں گذرتے ہیں

بہت حسین ہیں یہ روز و شب جوانی کے
مگر وہ سانحے جو ناگہاں گذرتے ہیں

جمیل جب بھی گذرتے ہیں اپنے شہر سے ہم
بیادِ جلوۂ شعلہ رخاں گذرتے ہیں

غریب نسخۂ ارزاں کے انتظار میں ہے
علاج عیسیٰ دوراں کے انتظار میں ہے

یہ اک ہجوم مہ و کہکشاں سہی لیکن
طلوع مہر درخشاں کے انتظار میں ہے

شب وصال میسر نہ ہو تو کیا کیجے
وہ بات جو شب ہجراں کے انتظار میں ہے

ہزار قافلے دل میں اتر چکے پھر بھی
یہ مصر یوسف کنعاں کے انتظار میں ہے

جمیل آؤ چلیں کاکلوں کے سائے میں
یہ چھاؤں آبلہ پایاں کے انتظار میں ہے

میری تمنا ہی نہ ہو یہ بہار
ایک سماںِ دشت و بیاباں میں ہے

تیری طلب تیرا جنوں تیرا غم
میری طرح عالمِ ہجراں میں ہے

میں ہی نہیں اپنی فغاں کا سبب
تو بھی مرے سینۂ سوزاں میں ہے

میں نے کہا میرے لئے کچھ سکوں
اب بھی تیری زلفِ پریشاں میں ہے

اس نے کہا تیرے جنوں کے لئے
کام بہت شہر و بیاباں میں ہے

ہم لوگ کسی مصر کے یوسف نہیں اب بھی
ہر چند کہ ہیں چاک زلیخاؤں کے دامن

اب بھی کسی بازار کا محتاج نہیں ہے
احساس کی گلیوں میں چمکتا ہوا کندن

ہم اہل محبت ہیں اُلجھتے نہیں ہم سے
پیرانِ حرم ہوں کہ بنارس کے برہمن

دستِ جنوں میں دامن گل کو لانے کی تدبیر کریں
نرم ہوا کے جھونکو آؤ موسم کو زنجیر کریں

موسمِ ابر و باد سے پوچھیں لذّتِ سوزاں کا مفہوم
موجۂ خوں سے دامن گل پر حرف جنوں تحریر کریں

آمدِ گل کا ویرانی بھی دیکھ رہی ہے کیا کیا خواب
ویرانی کے خواب کو آؤ وحشت سے تعبیر کریں

رات کے جاگے صبح کی ہلکی نرم ہوا میں سوئے ہیں
دیکھیں کب تک نیند کے ماتے اُٹھنے میں تاخیر کریں

تنہائی میں کاہشِ جاں کے ہاتھوں کس آرام سے ہیں
کیسے اپنے ناز اُٹھائیں کیا اپنی تحقیر کریں

بیتابی تو خیر رہے گی بیتابی کی بات نہیں
مرنا اتنا سہل نہیں ہے جینے کی تدبیر کریں
گھوم رہے ہیں وحشت جنوں میں ان کے کیا کیا روپ جمیل
کس کو دیکھیں کس کو چھیڑیں کسکو جا کے اسیر کریں

خواب نما

قمر جمیل

جنھیں میں فریب سمجھوں تری یادِ مہرباں کے
وہ چراغ بجھ گئے ہیں مری چشم خونفشاں کے

نہ وہ آرزو ہے غم کی نہ وہ گفتگو ستم کی
نہ وہ مرثیہ الم کا نہ وہ نوحے آسماں کے

مجھے یاد آرہے ہیں وہ چراغ جن کے سائے
کبھی دوستوں کے چہرے کبھی داغ رفتگاں کے

چلو موج گل سے پوچھیں یہ سراب ہے کہ شبنم
یہ بہار ہے کہ شعلے کسی شوق نیم جاں کے

یہ پیالہ ہے کہ دل ہے یہ شراب ہے کہ جاں ہے
یہ درخت ہیں کہ سائے کسی دستِ مہرباں کے

قمر جمیل

یہ فریب ہے کہ حسرت ترے غم چشیدگاں کی
یہ طلسم ہیں کہ عالم ترے غم رسیدگاں کے

قمر جمیل